تدبّرِ قرآن

۶۲

الجُمُعة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ صرف اسلوب بیان اور نہج استدلال دونوں کے الگ الگ ہیں۔ سابق سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کا حوالہ ہے۔ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف اشارہ ہے۔ بنی اسمٰعیل کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جس عظیم نعمت سے نوازا ہے اس کی قدر کریں، یہودیوں کی حاسدانہ سازشوں کا شکار ہو کر اپنے کو اس فضل عظیم سے محروم نہ کر بیٹھیں۔ اسی ذیل میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو ملامت فرمائی ہے کہ اس نے دنیوی کاروبار کے طمع میں جمعہ اور رسول کا احترام ملحوظ نہیں رکھا۔ اگر تجارت کی طمع لوگوں کو جمعہ کے احترام اور رسول کی موعظت سے زیادہ عزیز ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اس بیع و شراء کی حقیقت نہیں سمجھی جو وہ اپنے رب سے کر چکے ہیں (جس کا ذکر سابق سورہ میں ہو چکا ہے)، ساتھ ہی اس ناقدری کے انجام سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ یہ روش اختیار کر کے یہود اللہ کی شریعت سے محروم ہو گئے۔ مسلمان فلاح چاہتے ہیں تو ان کی تقلید سے بچیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۴) بنی اسمٰعیل کو یہ یاد دہانی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر جو رسول مبعوث فرمایا ہے وہ تمہارے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مظہر ہے۔ یہ ایک عظیم فضل ہے جو اللہ نے تم کو جاہلیت کی تاریکی سے نکالنے کے لیے تم پر فرمایا ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرو۔ یہودیوں کی حاسدانہ سازشوں کے شکار ہو کر ان کی تمنا بر آنے کا سامان نہ کرو۔

(۵-۸) یہود کے اس دعوے کی تردید کہ وہ اللہ کی برگزیدہ امت ہیں، ان کے سوا کوئی اور قوم نبوت و رسالت کے شرف کی حق دار نہیں ہو سکتی۔ ان کی ان نالائقیوں کی طرف اشارہ جن کے سبب سے وہ اللہ کی ہدایت سے محروم اور امامت کے منصب سے معزول ہوئے۔

(۹-۱۱) مسلمانوں کی ایک غلطی پر، جو جمعہ اور پیغمبر کے خطبہ کے احترام کے معاملے میں، کچھ لوگوں سے صادر ہوئی، گرفت۔ اگرچہ یہ غلطی بظاہر معمولی نظر آتی ہے لیکن اس نے ایک بہت بڑی کمزوری کی

نشان دہی کی تھی کہ ابھی مسلمانوں کے ایک گروہ نے دین کی اس حقیقت کو نہیں سمجھا کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و جنّت کے عوض اپنی جان اور اپنے مال کو فروخت کر چکا ہوتا ہے۔ یہ بات اس کے ایمان کے منافی ہے کہ کسی اور دنیوی کاروبار کی طمع اس کو اللہ اور رسول سے بے پروا کر دے۔ یہ یہود کے نقش قدم کی پیروی ہے جس سے مسلمانوں کو سابق سورہ میں روکا گیا ہے۔ یہود نے اسی طرح کی غلطی کا ارتکاب سبت کے معاملہ میں کیا تو اللہ نے ان پر لعنت کر دی۔

سورۃ الجمعۃ (۶۲)

مدنیۃ ——— آیات : ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات ۱-۸

یسبح للہ ما فی السموت وما فی الارض الملک القدوس
العزیز الحکیم ۱ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم
یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ و
ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ۲ واخرین منھم لما یلحقوا
بھم وھو العزیز الحکیم ۳ ذلک فضل اللہ یؤتیہ
من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۴ مثل الذین حملوا
التورۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا
بئس مثل القوم الذین کذبوا بایت اللہ واللہ لا یھدی
القوم الظلمین ۵ قل یایھا الذین ھادوا ان زعمتم
انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان
کنتم صدقین ۶ ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم
واللہ علیم بالظلمین ۷ قل ان الموت الذی تفرون
منہ فانہ ملقیکم ثم تردون الی علم الغیب والشھادۃ

فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ ع ١١

ترجمۂ آیات ۱-۸

تسبیح کرتی ہیں آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اس اللہ ہی کی جو بادشاہ، قدوس، عزیز اور حکیم ہے۔ اسی نے اٹھایا ہے امیّوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں سے اُن دوسروں میں بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں اور اللہ غالب و حکیم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ۱-۴

ان لوگوں کی تمثیل جن پر تورات لادی گئی پھر انھوں نے اس کو نہ اٹھایا اس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ کیا ہی بُری تمثیل ہے اس قوم کی جس نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی!! اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ان سے کہو کہ اے وہ لوگو! جو یہودی ہوئے، اگر تمہارا گمان ہے کہ دوسروں کے مقابل میں تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کے طالب بنو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اور یہ ہرگز اس کے طالب نہیں بنیں گے، بوجہ اپنی ان کرتوتوں کے جو وہ کر چکے ہیں! اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان کو بتا دو کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تم سے دوچار ہو کر رہے گی پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے پس وہ تم کو ان سارے اعمال سے آگاہ کرے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ ۵-۸

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (١)

تمہید

یہ تمہیدی آیت، معمولی تغیرِ الفاظ کے ساتھ، پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے۔ سابق سورہ میں صیغۂ ماضی 'سَبَّحَ' آیا ہے اس میں 'یُسَبِّحُ' ہے جو تصویرِ حال کا فائدہ دے رہا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں۔ 'اَلْمَلِکُ' جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ 'اَلْقُدُّوْسُ' جس کے معنی ہر نقص و عیب سے پاک کے ہیں۔ 'اَلْعَزِیْزُ' جس کے معنی، جیسا کہ بار بار واضح کیا جا چکا ہے، غالب و مقتدر کے ہیں۔ 'اَلْحَکِیْمُ' وہ ذات جس کے ہر قول و فعل میں حکمت ہے۔ یہ چاروں صفات آگے والی آیت کی تمہید کے طور پر یہاں آئی ہیں۔ ان کی وضاحت آیت کی تفسیر کے تحت ہی مناسب رہے گی۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲)

فرمایا کہ اسی خدا نے جو اس کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو پاک کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

تدبر کیجیے تو معلوم ہو گا کہ تمہید کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات گنائی ہیں انہی کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لیے اس رسول کی بعثت ہوئی ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔

رسول اللہ صلعم کی بعثت اللہ تعالیٰ کی صفات کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے ہوئی

وہی خلق کا بادشاہِ حقیقی ہے۔ اس کی اس صفت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس نے اپنی رعیت کو اپنے احکام و ہدایات سے آگاہ کرنے کے لیے اس کی طرف اپنا رسول بھیجا جس کی صفت یہ ہے کہ 'یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ' وہ لوگوں کو اس کی تعلیمات و ہدایات پڑھ کر سنا رہا ہے۔

وہ پاک اور قدوس ہے اس وجہ سے اس نے یہ چاہا کہ وہ اپنے رسول اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ سے لوگوں کو پاکیزہ بنائے چنانچہ اس کا رسول لوگوں کو عقائد و اعمال اور اخلاق کی خرابیوں سے پاک کر رہا ہے (یُزَكِّیْهِمْ)۔

پھر وہ 'عزیز' اور 'حکیم' ہے اس وجہ سے اس نے ایسا رسول بھیجا ہے جو اس کے بندوں کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دے رہا ہے۔ یہاں لفظ 'کتاب' شریعت اور قانون کے مفہوم میں ہے۔ شریعت اور قانون کا مؤثر نفاذ اسی کی طرف سے ہوتا ہے جو غالب و مقتدر ہو لیکن اللہ تعالیٰ صرف غالب و مقتدر ہی نہیں بلکہ 'حکیم' بھی ہے اس وجہ سے وہ اپنے رسول کے ذریعہ سے جس قانون کی تعلیم دے رہا ہے وہ مجرد اس کے زور و اقتدار کا مظہر نہیں بلکہ اس کی حکمت اور بندوں کی دنیوی و اخروی مصلحت کا بھی مظہر ہے۔

یہ آیت بنی اسمٰعیل پر امتنان اور اظہارِ فضل و احسان کے محل میں ہے اس وجہ سے یہاں ان کے لیے لفظ 'اُمِّیّٖنَ' بطور ایک وصفِ امتیازی کے استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ پر اس کے محل میں بحث ہو چکی ہے لیکن اتنی بات کی یاد دہانی یہاں بھی ضروری ہے کہ یہ اصطلاح اگرچہ اہل کتاب بالخصوص یہود کی وضع کردہ

تھی جس میں ان کے اندر مذہبی پندار کی جھلک بھی تھی اور اہلِ عرب کے لیے ان کا جذبۂ تحقیر بھی نمایاں تھا لیکن بنی اسمٰعیل چونکہ کتاب و شریعت سے ناآشنا تھے اس وجہ سے بغیر کسی احساسِ کہتری کے انھوں نے اس لقب کو اپنے لیے خود بھی اختیار کر لیا۔ پھر جب قرآن نے ان کے لیے اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے رسول کے لیے اس لفظ کو بطور ایک وصفِ امتیازی کے ذکر فرمایا تو اس کا رتبہ اتنا بلند ہو گیا کہ اہلِ عرب کے لیے اس نے گویا ایک تشریفِ آسمانی کی حیثیت حاصل کر لی جس سے قدرت کی یہ شان ظاہر ہوئی کہ جن کو ان پڑھ اور گنوار کہہ کر حقیر ٹھہرایا گیا وہ تمام عالم کی تعلیم و تہذیب پر مامور ہوئے اور جن کو اپنے حاملِ کتاب و شریعت ہونے پر ناز تھا وہ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بنا رہا ہے بروکتا ہے جیسے کے مصداق قرار پائے۔

یہاں یہ لفظ عربوں کے جذبۂ شکر گزاری کو ابھارنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ انھیں اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ان پر نظرِ کرم فرمائی۔ ان کی اصلاح و تربیت اور ان کو کتاب و حکمت سے بہرہ مند کرنے کے لیے انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرمایا اور جاہلیت کی اس تاریکی سے ان کو نکالا جس میں وہ اپنی امیّت کے سبب سے اب تک گھرے ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو یہ نعمت مل گئی ہے وہ اس کو حرزِ جاں بنائیں اور کوشش کریں کہ دوسرے بھی اس کی قدر کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ناقدری کے سبب سے وہ اس سے محروم ہو کر رہ جائیں اور حاسدوں کا مقصد پورا ہو جائے۔

یہاں نبیِّ امّی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات مذکور ہوئی ہیں ان پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔ اس پر ایک نظر ڈال لیجیے تاکہ آپ کی بعثت کے مقاصد سے متعلق جو غلط فہمیاں منکرینِ حدیث نے پھیلائی ہیں وہ دور ہو جائیں۔ بنی اسمٰعیل کے اندر بعینہٖ انہی صفات کے پیغمبر اٹھائے جانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ سورۂ بقرہ میں یہ دعا یوں مذکور ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ
أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرة ۲: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! اور تو بھیجیو ان کے اندر ایک
رسول انہی میں سے جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر
سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے
اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو غالب و حکیم ہے۔

آنحضرتؐ دعائے ابراہیمی کے مظہر ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے بھی مظہر ہیں جو آپ نے اولادِ اسمٰعیل سے متعلق فرمائی تھی۔ گویا گوناگوں صفتیں آپ کے اندر جمع ہیں۔ یہ نویدِ مسیح ہیں اور دعائے ابراہیمؑ ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں، اور پھر یہ کہ وہ تمھارے ہی اندر کے ایک فرد ہیں۔ تمھارے اور ان کے درمیان اجنبیت و غیریت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ تمھیں حقیر ٹھہرانے والے تمھیں یہ طعنہ نہیں دے سکتے کہ تمھیں ان کے یا کسی اور کے واسطہ سے روشنی ملی بلکہ اللہ نے تمام خلق پر تم کو سربلند کیا کہ تمھارے ذریعہ سے سارے جہان میں اجالا کرنے کا سامان کیا۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اگرچہ امیوں کے اندر ہوئی لیکن آپ کی دعوت تمام خلق کے لیے ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے: ایک بعثتِ خاص، دوسری بعثتِ عام۔ آپ کی بعثتِ خاص بنی اسمٰعیل کی طرف ہوئی اور اس بعثت کے فرائض کی تکمیل حضورؐ نے بذاتِ خود فرمائی۔ آپ کی بعثتِ عام، جو تمام خلق کی طرف ہوئی، اس کے فرائض انجام دینے تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو 'شھدآء اللہ فی الارض' کے منصب پر سرفراز فرمایا جو اب قیامت تک کے لیے اس فرض کی انجام دہی پر مامور ہے۔ 'شھدآء اللہ فی الارض' کے ہراول دستہ کی حیثیت چونکہ امیوں ہی کو حاصل ہوئی اس وجہ سے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ جو امی تھے اللہ تعالیٰ نے انہی کے واسطہ سے تمام خلق کو روشنی دکھائی۔

آنحضرتؐ کی بعثت تمام خلق کی طرف ہے

'وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ'۔ یہ امیوں کے جذبۂ شکر و سپاس کو ابھارنے کے لیے اس تاریکی کی طرف توجہ دلائی ہے جو ماضی میں ان پر چھائی رہی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ جاہلیت کی اس گھٹاٹوپ تاریکی کا خیال کریں جس میں وہ گرفتار رہ چکے ہیں تب انھیں اپنے رب کے فضل و احسان کا کچھ اندازہ ہو گا کہ اس نے ان کو کس چاہِ ظلمت سے نکالا اور کس آسمانِ رفعت و عزت پر پہنچا یا ہے۔

وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (۳)

اس کا عطف 'اُمِّیّٖنَ' پر ہے۔ یعنی جن امیوں کے اندر اس رسول کی بعثت ہوئی ہے انہی میں سے وہ دوسرے بھی ہیں جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ یہ اشارہ ان بنی اسمٰعیل کی طرف ہے جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ بات نکلی کہ اوپر اگرچہ لفظ 'اُمِّیّٖنَ' عام استعمال ہوا ہے لیکن اس سے مراد صرف وہ بنی اسمٰعیل ہیں جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ چنانچہ آیت کا آخری ٹکڑا 'وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ' اس پر دلیل بھی ہے۔ اب اس آیت میں نہایت خوب صورت اور بلیغ اسلوب سے بنی اسمٰعیل کے ان لوگوں کو بھی دعوت دے دی جو ابھی اسلام سے بیگانہ تھے۔ لفظ 'مِنۡهُمۡ' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ انہی امیوں میں سے جن کے لیے یہ آسمانی نعمت اتری ہے، کچھ دوسرے بھی ہیں لیکن ابھی وہ اس سے بدکے ہوئے ہیں۔ گویا نہایت لطیف اسلوب سے ان کو دعوت دی گئی کہ جن کے لیے یہ خوانِ نعمت بچھایا گیا ہے اور جو سب سے پہلے مدعو ہیں، حیف ہے اگر وہ اس سے محروم رہیں۔

'لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ' (ابھی وہ ان سے ملے نہیں ہیں) کے الفاظ کے اندر یہ بشارت بھی مضمر ہے کہ گو ابھی وہ ملے نہیں لیکن عنقریب مل جائیں گے۔ گویا یہ مستقبل قریب میں ان کے قبولِ اسلام کی اسی طرح کی بشارت ہے جس طرح کی بشارت سورۂ ممتحنہ کی آیت ۷ میں گزر چکی ہے۔

امیوں کو باندازِ لطیف دعوت جو ابھی اسلام سے محروم تھے

'وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ'۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ایمان و ہدایت کے باب میں اس نے اختیار فرمائی ہے۔ وہ چاہے تو ساری خلق کو ہدایت بخش دے، وہ عزیز و غالب ہے؛

ہدایت کے باب میں سنتِ الٰہی

لیکن وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے وہ ہدایت سے انہی کو سرفراز فرماتا ہے جو اس کی حکمت کے تحت سزاوار ہوتے ہیں۔ سورۂ دہر میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۖ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ (الدھر-۷۶: ۳۰-۳۱) (اور تمہارا چاہنا کچھ نہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ بے شک اللہ ہی علم و حکمت والا ہے۔ وہی اپنی رحمت میں جس کو چاہے گا داخل کرے گا)۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۴)

یہود کے حسد پر تعریض

یہ اسی فضلِ عظیم کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیوں پر فرمایا اور جس کا اوپر ذکر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس پر کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے اس کے لیے انتخاب فرماتا ہے اور اس کا ہر چاہنا اس کی اپنی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہود کو اس پر حسد ہے تو وہ جتنا حسد کرنا چاہیں کرلیں۔ اس سے وہ اپنا ہی نقصان کریں گے، کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ خدا نے امیوں کو اپنی چیز دی، کسی دوسرے کی نہیں دی ہے کہ وہ اس پر غصہ کا اظہار کرے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵)

یہود کے پندار پر ضرب

یہ یہود کے پندار پر ضرب لگائی ہے کہ اگر وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ کتاب و شریعت کے حامل وہی ہو سکتے ہیں، کوئی دوسرا اس شرف میں ان کا حریف نہیں ہو سکتا، تو یہ گھمنڈ اب وہ اپنے دماغ سے نکال دیں۔ اب ان کی مثال اس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ تو اٹھائے ہوئے ہے لیکن اسے کچھ خبر نہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔

'حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا' یعنی اس میں تو شبہ نہیں کہ ایک زمانے میں ان کے اوپر تورات کا بوجھ لادا گیا لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ انھوں نے اس بارِ گراں کو اٹھایا نہیں۔ اس نہ اٹھانے کی وضاحت 'كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ' کے الفاظ سے فرما دی گئی کہ تورات کی تعلیمات اور اس کے احکام پر ان کا ایمان باقی نہیں رہا، عملاً انھوں نے ان کی تکذیب کر دی۔ ظاہر ہے کہ جب ان کتابوں کے احکام کی انھوں نے تکذیب کر دی تو ان کے اجر سے تو وہ محروم ہو گئے، صرف ان کا وزر اور گناہ ان کے سر باقی رہا اور وہ اس مثل کے مصداق ہیں کہ چارپائے بروکتابے چند۔

'حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ' میں لفظ 'حُمِّلُوْا' نہایت بلیغ ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس تورات کے حامل ہونے پر آج ان کو ناز ہے وہ انہوں نے اس وقت بھی شوق و رغبت سے نہیں قبول کی تھی جس وقت انھیں عطا ہوئی تھی بلکہ وہ گویا ان پر زبردستی لادی گئی تھی۔ اس زبردستی لادنے کی پوری تفصیل

سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے کہ تورات کے ایک ایک حکم کو قبول کرنے میں یہود نے کس کس طرح اپنی ضد و مکابرت کا مظاہرہ کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس سوز و غم کے ساتھ ان کی اس حالت پر ماتم کیا ہے۔ اس کی طرف سرسری اشارہ سورۂ صف کی آیت ۵ میں بھی ہے۔

'بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'۔ فرمایا کہ جن کی مثال اتنی مکروہ ہے ان کے لیے زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے تقدس و تقرب الٰہی کے زعم میں مبتلا ہوں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ ان کے ہوتے خدا کسی دوسرے کو کتاب و شریعت کا حامل نہیں بنا سکتا!

جو کتاب پر عامل نہیں وہ اس کا حامل بھی نہیں

'كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'، کے الفاظ سے اوپر کے الفاظ 'ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا' کی وضاحت ہو گئی کہ تورات کے نہ اٹھانے کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اس کے احکام کی اپنے عمل سے تکذیب کر دی۔ زبان سے تو دعویٰ ہے کہ وہ اس کے حامل ہیں لیکن جب اس پر عامل نہیں تو اس کے حامل کیسے ہوئے؟

'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ'۔ یہ ٹکڑا بعینہٖ سورۂ صف کی آیت ۷ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان کی بداعمالیوں کے سبب سے ان پر لعنت ہو چکی ہے اور اللہ نے ان کے دلوں پر، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل گزر چکی ہے، مہر کر دی ہے، اس وجہ سے اب ان کو ہدایت نصیب ہونے والی نہیں ہے۔ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے ہیں۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ ان کو تورات دی گئی تو اس کی انھوں نے تکذیب کر دی اور اب اسی تورات کے حامل ہونے کے زعم میں اللہ کے آخری رسول کی تکذیب کر رہے ہیں کہ بھلا ان کے ہوتے کسی اور قوم کے اندر کوئی رسول کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ ایسے بدبختوں کو خدا ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اس طرح کے لوگ ہمیشہ اسی طرح ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۶)

یہود کے پندار پر ایک اور ضرب

یہ ان کے اسی پندار پر ایک اور ضرب لگائی کہ اگر تمھارا زعم یہ ہے کہ تم خدا کے محبوب ہو تو اس محبت و محبوبیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمھارے اندر خدا کی راہ میں جان دینے کا شوق و ولولہ ہو۔ محبّ کو سب سے زیادہ آرزو محبوب کی ملاقات کی ہوتی ہے۔ وہ اس چیز سے جان نہیں چراتا جو محبوب سے ملاقات کی راہ کھولے لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ موت کا مقابلہ کرنے میں تم سے زیادہ بزدل کوئی نہیں۔ سورۂ صف کی آیات ۴-۵ میں ان کے حال پر جو تبصرہ فرمایا گیا ہے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ سورۂ حشر میں بنو قریظہ اور ان کے حلیفوں کی بزدلی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے:

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ	ان کے سینوں میں تمھارا ڈر اللہ کے
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ	خوف سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ٭ لَا	کہ یہ سمجھ رکھنے والے لوگ نہیں۔ یہ کبھی تم سے

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۚ (الحشر - ۵۹ : ۱۳-۱۴)

کھلے میدان میں لڑنے کا حوصلہ نہیں کر سکتے۔ لڑیں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی اوٹ سے۔ ان کے اپنے اندر شدید مخاصمت ہے۔ تم ان کو متحد گمان کر رہے ہو، حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقل سے کام لینے والے لوگ نہیں ہیں۔

سورۂ بقرہ میں یہی مضمون نسبۃً تفصیل سے اس طرح بیان ہوا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ (البقرۃ - ۲ : ۹۴-۹۶)

کہہ دو، اگر دار آخرت کی تمام نعمتیں اللہ کے پاس دوسروں کے مقابل میں، تمھارا ہی حق ہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ اور یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اپنی ان کرتوتوں کے سبب سے جو انھوں نے کی ہیں اور اللہ ان ظالموں سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور تم ان کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پاؤ گے۔ یہاں تک کہ یہ مشرکوں سے بھی زیادہ زندگی کے حریص ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تمنا ہے کہ ہزار سال جیے۔

'مِنْ دُوْنِ النَّاسِ' سے بنی اسمٰعیل کی طرف اشارہ ہے

آیت زیر بحث میں 'مِنْ دُوْنِ النَّاسِ' کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن یہاں اشارہ خاص طور پر بنی اسمٰعیل ہی کی طرف ہے۔ تورات کی پیشین گوئیوں اور نسلی رقابت کی بنا پر یہود کو سب سے زیادہ پرخاش انہی سے تھی۔ اس پرخاش کی پوری سرگزشت سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ یہ پرخاش تھی تو شروع ہی سے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد، جب انھوں نے تاڑ لیا کہ وہ خطرہ سر پر آ گیا جس سے وہ اندیشہ ناک تھے تو یہ آگ پوری طرح بھڑک اٹھی۔

یہود کی بزدلی پر ان کی پوری تاریخ گواہ ہے

قرآن نے یہاں یہود کی جس بزدلی پر طنز کیا ہے اگرچہ وہ اس کے جواب میں بے حیائی سے کہہ سکتے تھے کہ ہم موت سے ڈرنے والے لوگ نہیں ہیں لیکن آدمی سے اپنا باطن مخفی نہیں ہوتا۔ انھیں محسوس ہوا کہ قرآن نے ان کی نہایت دُکھتی رگ پکڑی ہے۔ چنانچہ انھوں نے خاموشی ہی میں سلامتی دیکھی۔ وہ ایک ایسی بات کی تردید کس طرح کر سکتے تھے جس کی شہادت ان کی ماضی کی تاریخ بھی دے رہی تھی اور حاضر کے واقعات بھی جس کے گواہ تھے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (۷)

یہ ان کی بزدلی کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس چیز نے ان کو موت سے اتنا خائف کر رکھا ہے یہ ان کے اعمال ہیں۔ یہ نبیوں کے قاتل ہیں، یہ تورات کے محرّف ہیں، اللہ کی امانتوں میں خیانت کرنے والے ہیں اور انھوں نے ان تمام نشاناتِ ہدایت کو مٹایا ہے جن کو خلق کے سامنے اجاگر کرنے پر یہ مامور ہوئے تھے تو اب یہ کیا منہ لے کے اپنے رب کے سامنے جائیں گے! لیکن ان کو بہر حال اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور وہ ان ظالموں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی بھرپور سزا دے گا۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۸)

اوپر وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ میں جو تہدید مضمر تھی وہ اس آیت میں اچھی طرح کھل گئی ہے۔ فرمایا کہ موت سے بھاگتے ہو تو بھاگو، لیکن تم اس سے بھاگ کے کہاں جاؤ گے؟ وہ تمھیں پکڑ ہی لے گی۔ پھر تم اپنی تمام بداعمالیوں کے ساتھ اپنے اس خدا کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو تمام غائب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ نہ اس سے تمھارا کوئی فعل مخفی ہے، نہ کوئی چیز تم اس سے چھپا سکو گے۔ وہ تمھارا سارا کچا چٹھا تمھارے سامنے رکھ دے گا اور تمھیں اپنے ہر جرم کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

۲۔ آگے آیات ۹-۱۱ کا مضمون

آگے مسلمانوں کی ایک غلطی پر گرفت فرمائی جو نمازِ جمعہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے معاملے میں ایک جماعت سے صادر ہوئی۔ کوئی تجارتی قافلہ مدینہ میں داخل ہوا اس کی خبر سن کر کچھ لوگ عین اس وقت مسجد سے اٹھ کر چلے گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اگرچہ یہ فعل کچھ خام تربیت لوگوں ہی سے صادر ہوا لیکن اس سے جماعت کی بعض ایسی کمزوریوں کی نشان دہی ہوئی جن کی اصلاح ضروری تھی۔

ایک کمزوری تو یہ ظاہر ہوئی کہ معلوم ہوا کہ ابھی بہتوں کے اندر اس فضلِ عظیم کا کما حقہٗ شعور نہیں پیدا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں امیوں پر فرمایا ہے۔

دوسری یہ کہ ابھی لوگوں نے اس بیع و شرا کی حقیقت اچھی طرح نہیں سمجھی ہے جس کا ذکر سورۂ صف کی آیات ۱۰-۱۳ میں ہوا ہے کہ جو لوگ رسول سے سمع و طاعت کا عہد کر چکے ہیں وہ اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کے عوض اپنی جان اور اپنے مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔ ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی اور بیع و شراء کو اتنی اہمیت دیں کہ اس کے شوق میں اللہ کے رسولؐ کو خطبہ دیتا ہوا چھوڑ کر مسجد سے چل کھڑے ہوں۔

تیسری یہ کہ معلوم ہوا کہ ابھی لوگوں نے جمعہ کی عظمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا ہے۔ یہ دن مسلمانوں کے لیے بنی اسرائیل کے یوم السبت سے مشابہ ہے۔ بنی اسرائیل نے طمع دنیا اور ہوس شکار میں مبتلا ہو کر یوم السبت کی حرمت کو بٹہ لگایا تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر کے ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ اگر انہی کی طرح مسلمان اس تجارت کی ہوس میں جمعہ کی حرمت کو بٹہ لگائیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے غضب سے محفوظ رہیں۔

یہ باتیں خاصی اہمیت رکھنے والی ہیں اور ان سے اس فضل عظیم کی نہایت کھلی ہوئی ناقدری ہوئی جو یہود کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے امیوں پر فرمایا اور جس کا نہایت اہتمام سے اس سورہ میں ذکر ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو سرزنش کی گئی جو ان کے مرتکب ہوئے ——— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۹-۱۱

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾ فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُواْ فِي ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُواْ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا رَأَوْاْ تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا ٱنفَضُّوٓاْ إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ ٱللَّهْوِ وَمِنَ ٱلتِّجَٰرَةِ ۚ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿١١﴾

ع ۱۲

ترجمۂ آیات ۹-۱۱

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن کی نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف مستعدی سے چل کھڑے ہو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کے طالب بنو اور اللہ کو زیادہ یاد رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ کوئی تجارت یا دلچسپی کی چیز دیکھ پاتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے

ہیں اور تم کو کھڑے چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دو، جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔ ۹-۱۱

۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۹)

خطاب کا ایک حکیمانہ انداز

خطاب اگرچہ عام ہے لیکن روئے سخن انہی لوگوں کی طرف ہے جن کی کمزوری پر نکیر فرمائی گئی ہے۔ عام خطاب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ زیادہ رسوائی کا احساس نہیں کرتے جن کا رویّہ زیرِ بحث ہوتا ہے بلکہ ان کے اندر سلامت روی ہوتی ہے تو وہ اس پردہ پوشی کو متکلم کی کریم النفسی پر محمول کرتے اور نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر تعین کے ساتھ نام لے کر ان کو سرزنش کی جائے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر ضد اور انانیت کا جذبہ ابھرے۔

جمعہ اور اذانِ جمعہ

'لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ' میں 'مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ' کے الفاظ 'صَلٰوة' کی وضاحت کے لیے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ یہاں زیرِ بحث خاص طور پر جمعہ کی نماز ہے۔ یہ جمعہ کی نماز ہی واحد چیز ہے جو جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے ممتاز کرتی ہے۔

یہاں جس اذان کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہی اذان مراد ہو سکتی ہے جو خطبۂ جمعہ سے پہلے دی جاتی ہے۔ روایات سے بلا اختلاف ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے عہدِ مبارک میں جمعہ کی اذان ایک ہی تھی جو خطبہ سے پہلے دی جاتی تھی۔ ایک اذان کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں کیا جب مدینہ منورہ کی آبادی زیادہ ہو گئی۔ یہ مدینہ کے بازار میں حضرت عثمانؓ کے مکان سے دی جاتی۔ اگرچہ یہ اذان سیدنا عثمانؓ کا اضافہ ہے لیکن اس اضافے کو امت کے تمام اخیار نے، بلا کسی نکیر کے، قبول کیا۔

'فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ'۔ 'سعی' کے معنی صرف دوڑنے کے نہیں آتے بلکہ یہ لفظ اصلاً کسی کام کو مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ، چوق و چوبند ہو کر، کرنے کے لیے آتا ہے۔ غلام آقا کی پکار سن کر جب مستعدی سے اس کی طرف لپکتا ہے تو یہ سعی ہے۔ فرمایا کہ جب یہ اذان سنو تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

خطبہ اور نمازِ جمعہ

'ذِكْرِ اللّٰهِ' یہاں خطبہ اور نماز دونوں کے لیے ایک جامع لفظ ہے۔ نماز کا 'ذکر' ہونا تو واضح

ہے، قرآن میں جگہ جگہ نماز کو ذکر ہی سے تعبیر کیا گیا ہے، رہا جمعہ کا خطبہ تو وہ درحقیقت نماز ہی کا حصّہ ہے۔ جمعہ کی نماز ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے جس کی چار رکعتیں جمعہ کے دن تخفیف ہو کر دو رہ جاتی ہیں اور ان کی جگہ خطبہ کی شکل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ 'ذکر اللہ' امام حاضرین مسجد کو مخاطب کر کے کرتا ہے اس وجہ سے وہ ساری باتیں اس کے دائرہ میں آتی ہیں جو مسلمانوں کی صلاح و فلاح سے متعلق اور جن کے لیے وقت کے حالات مقتضی ہوں۔ اس کو چند رسمی دعاؤں کی شکل میں محدود کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

خطبہ اور نماز کا اہتمام و التزام

'وَذَرُوا الْبَیْعَ' لفظ 'بیع' اصلاً تو بیچنے کے معنی میں ہے لیکن یہ اپنے عام استعمال میں خرید و فروخت' دونوں ہی کے لیے آتا ہے۔ اگرچہ یہاں ذکر 'بیع' ہی کے چھوڑنے کا ہے لیکن جب 'بیع' کے چھوڑنے کا ذکر ہوا جو نسبتہً زیادہ مرغوب ہے تو 'خرید' کا چھوڑنا تو بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہوگا۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ دنیا کا ہر کام چھوڑ کر نماز کی طرف لپکو۔ 'بَیع' کے ذکر کی وجہ صرف یہ ہے کہ جو واقعہ مسلمانوں کے لیے آزمائش کا سبب ہوا اور جس پر یہاں تنبیہ فرمائی گئی ہے، وہ بیع و شراء ہی سے متعلق تھا۔

'ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ' یعنی بظاہر تو یہ حکم تم میں سے بعضوں پر گراں گزرے گا' تم اپنے کاروبار کا نقصان محسوس کرو گے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہی طریقہ تمہارے لیے موجب خیر و برکت ہے۔ رزق و فضل سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کی خوشنودی کے لیے تم کوئی نقصان گوارا کرو گے تو ابدی زندگی میں اس کا اجر اپنے رب کے پاس محفوظ کر لو گے اور ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ ایسی شکلیں پیدا کر دے کہ تمہارے ہر نقصان کی تلافی ہو جائے۔ 'إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ' یعنی تمہیں اپنے نفع نقصان کا اندازہ اس دنیا کی محدود زندگی کو سامنے رکھ کر نہیں کرنا چاہیے بلکہ آخرت کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ لیکن آخرت ایسی چیز ہے کہ اس کو سمجھنا چاہو گے تب ہی سمجھو گے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۱۰)

یہود کے احترام سبت کے بالمقابل جمعہ کی پابندی آسان ہے

یعنی یہ پابندی صرف اتنی ہی دیر کے لیے ہے کہ نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ اس کے بعد تمہیں اجازت ہے کہ تم جہاں چاہو جاؤ اور جس شکل میں چاہو اللہ کے رزق و فضل کے طالب بنو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اتنے قلیل وقت کی پابندی بھی تم اپنے رب کی خوشنودی کے لیے گوارا نہیں کر سکتے تو پھر تمہارا ایمان و اسلام کیا ہے! یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہود پر سبت کے احترام کی پابندی پورے دن کے لیے تھی۔ لیکن اس امت پر جمعہ کے احترام کی پابندی صرف اذان سے لے کر ختم نماز تک کے لیے عائد کی گئی ہے، باقی پورے دن میں اسی طرح آزادی ہے جس طرح دوسرے دنوں میں ہے۔

'وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ' یعنی تمہارے لیے رزق و فضل کی جدوجہد پر کوئی پابندی نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر اس جدوجہد میں دنیا ہی مطمح نظر نہیں ہے، آخرت کی فلاح

بھی مطلوب ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ کو یاد رکھو۔ یہی یاد تمھیں شیطان کے فریبوں اور فتنوں سے بچائے گی ورنہ شیطان تمھیں اس طرح اندھا بنا دے گا کہ تم حرام و حلال کے امتیاز سے عاری ہو کر اس دنیا کے کتے بن کر رہ جاؤ گے اور پھر جہنم ہی کے ایندھن بنو گے۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (١١)

واقعہ جو اس تنبیہ کا سبب ہوا

یہ آخر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو مذکورہ بالا تنبیہات و تعلیمات کے نزول کا سبب ہوا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر کا کوئی تجارتی قافلہ، عین خطبۂ جمعہ کے وقت، مدینہ میں داخل ہوا۔ اس نے اعلان و اشتہار کے لیے، رواج کے مطابق، اپنے ڈھول اور دف جو بجائے تو کچھ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے چھوڑ کر اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح کے قافلے اس زمانے میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ضروری چیزوں کی خرید و فروخت انھی کے ذریعے سے ہوتی اس وجہ سے لوگوں کو ان کا انتظار رہتا اور جب وہ آتے تو ہر شخص اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے اور اپنا مال فروخت کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ فعل جن لوگوں سے صادر ہوا ظاہر ہے کہ ان پر اسلامی تربیت کا رنگ ابھی اچھی طرح چڑھا نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خطبۂ جمعہ کی اہمیت سے بھی اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ ان کے نزدیک اہمیت صرف نماز ہی کی تھی۔ انھوں نے خیال کیا ہو گا کہ نماز سے پہلے پہلے قافلہ کو دیکھ کر واپس آ جائیں گے۔ بہرحال ان سے جو غلطی ہوئی اس سے امت کو یہ فائدہ پہنچا کہ جمعہ، خطبۂ جمعہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایسی ہدایات نازل ہو گئیں جو اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھیں۔

آیت میں بات اگرچہ عام صیغہ سے فرمائی گئی ہے لیکن یہ امر واضح ہے کہ یہ فعل جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، صادر کچھ ناتربیت یافتہ لوگوں ہی سے ہوا۔ قرآن کا عام اندازِ موعظت یہی ہے کہ وہ تعین کے ساتھ ملامت کرنے کے بجائے عام الفاظ ہی میں تنبیہ کرتا ہے تاکہ جماعت کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھائے اور کسی خاص گروہ کو اس سے رسوائی کا احساس نہ ہو۔

واقعہ کی سنگینی کی طرف اشارہ

'وَتَرَكُوكَ قَائِمًا' سے اس واقعہ کی سنگینی کا ایک خاص پہلو یہ واضح ہوتا ہے کہ خطبہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے تھے۔ حضورؐ کے خطبہ کو اس طرح چھوڑ کر چل دینے میں سوءِ ادب اور دین کی ناقدری کے جو پہلو مضمر ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ یہ بعینہٖ وہی روش ہے جو یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختیار کی۔ جس کے نتیجہ میں اللہ نے ان کے دل، جیسا کہ سورۂ صف میں بیان ہوا ہے، کج کر دیے۔ اس وجہ سے قرآن نے ان پر پہلے ہی مرحلہ میں گرفت فرمائی۔

'قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ' فرمایا کہ اللہ کے

پاس مخلص اہلِ ایمان کے لیے جو اجرِ عظیم ہے اس کے طالب ہو۔ وہ اس دنیا کے لہو و لعب اور اس کی تجارت سے کہیں بہتر ہے۔ اگر اس دنیا کا بڑے سے بڑا نقصان کر کے بھی تم نے خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کر لی تو اپنے خزف ریزوں کے عوض ابدی بادشاہی کے مالک بن جاؤ گے اور اگر خدا و رسول کو ناراض کر کے تم نے ساری دنیا کی دولت بھی سمیٹ لی تو آخر کتنے دنوں کے لیے! پس دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے پیچھے مت بھاگو بلکہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اس کے طالب بنو۔ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ وہ وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا اور ایسا رزق دیتا ہے جو ہر اعتبار سے رزقِ کریم ہوتا ہے۔

'لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ' اور 'خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ' میں عربیت کے جو اسلوب ہیں ان کی وضاحت ان کے محل میں ہو چکی ہے۔

۴۔ جمعہ، خطبۂ جمعہ اور مقامِ نبوت سے متعلق قرآن کے چند اشارات

اگرچہ آیات کے تحت ان سے مستنبط ہونے والی اہم باتوں کی طرف ہم توجہ دلاتے آ رہے ہیں لیکن چند باتیں مزید توجہ کی مستحق ہیں۔

رسول کی تعلیم اللہ کی تعلیم ہے

ایک یہ کہ جمعہ کی نماز، اس کی اذان اور اس کے خطبہ سے متعلق یہاں مسلمانوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں اور ان کی ایک غلطی پر جس طرح تنبیہ فرمائی گئی ہے اس کا انداز شاہد ہے کہ جمعہ کے قیام سے متعلق ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام پائی ہیں، حالانکہ قرآن میں کہیں بھی جمعہ کا کوئی ذکر نہ اس سے پہلے آیا ہے نہ اس کے بعد ہے بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ اس کے قیام کا اہتمام ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور لوگوں کو آپ ہی نے اس کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ پھر جب لوگوں سے اس کے آداب ملحوظ رکھنے میں کچھ کوتاہی ہوئی تو اس پر قرآن نے اس طرح گرفت فرمائی گویا براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے احکام و آداب کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے دیے ہوئے احکام بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں، ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ رسول کی طرف ان کی نسبت کی تحقیق تو ضروری ہے لیکن نسبت ثابت ہے تو ان کا انکار خود اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

خطبۂ جمعہ نمازِ جمعہ کا ضروری رکن ہے

دوسری یہ کہ خطبۂ جمعہ، نمازِ جمعہ کا ایک ضروری رکن ہے۔ اس سے بے پروائی یا اس کی ناقدری کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس خطبہ ہی کے لیے نمازِ جمعہ کی رکعتیں چار کی جگہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، صرف دو رکھی گئی ہیں اور دو رکعتوں کی جگہ خطبہ کو دی گئی ہے جو دو رکعتوں ہی کی طرح دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ پھر نماز ہی کی طرح خطبہ بھی، قرآن کی تصریح کے مطابق، 'ذکر اللہ' ہے، یعنی خطبہ اور نماز دونوں کی روح ایک ہی بتائی گئی ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ نماز میں امام اور مقتدی سب اللہ کی طرف

متوجہ ہو کر ذکرِ الٰہی کرتے ہیں اور خطبہ میں امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی تذکیر کرتا ہے۔ اس زمانے میں یہ عجیب مصیبت ہے کہ اصل خطبۂ جمعہ چند معروف دعائیہ کلمات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور ائمہ حضرات اپنا سارا زورِ خطابت ان لمبی لمبی تقریروں پر صرف فرماتے ہیں جو وہ اصل خطبہ سے پہلے کرتے ہیں۔ ان تقریروں میں ذکر اللہ بہت کم اور دوسری غیر ضروری باتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں اور نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ سامعین یا تو اونگھتے ہیں یا سوتے ہیں اور جو سننے کی کوشش کرتے ہیں وہ طولِ بیان سے تھک جاتے ہیں۔

ایک افسوسناک صورتِ حال

بہت سے لوگ ان لمبی تقریروں سے بچنے کے لیے مسجد میں اس وقت پہنچتے ہیں جب وہ خطبہ شروع ہوتا ہے جو ہے تو اصلی لیکن اس زمانے میں وہ بالکل ایک رسمی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ یہ صورتِ حال نہایت افسوس ناک ہے۔ ضروری ہے کہ اصل خطبہ کی اہمیت بحال کی جائے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ لمبی لمبی تقریروں کی جگہ امام صاحبان اصل خطبہ ہی میں ضروری باتوں کی تذکیر کریں۔ خطبہ جامع، مختصر اور پُر حکمت ہو تاکہ لوگ دل چسپی سے سنیں اور مستفید ہوں۔ لوگوں کو تاکید کی جائے کہ خطبہ سننے کے لیے وہ ٹھیک وقت پر پہنچیں اور اس سے غفلت کے ان عواقب سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

جمعہ کے روز مسلمان کے لیے پسندیدہ روش

تیسری یہ کہ قرآن کے اسلوبِ بیان سے یہ بات نکلتی ہے کہ مسلمان کے لیے پسندیدہ روش، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے کا وقت وہ جمعہ کی تیاریوں میں صرف کرے۔ کوئی اور مصروفیت، بلاکسی شدید ضرورت کے، وہ ایسی نہ پیدا کرے جو اس تیاری میں مانع یا مخل ہو۔ یہ بات یوں نکلتی ہے کہ فرمایا ہے کہ، جب نماز ختم ہو جائے تب زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق و فضل کے طالب بنو۔ ان الفاظ کے اندر یہ مضمون مضمر ہے کہ جمعہ کے دن کاروباری مصروفیت کے لیے موزوں وقت جمعہ سے پہلے کا نہیں بلکہ جمعہ کی نماز کے بعد ہی کا ہے بالخصوص اس طرح کی کاروباری مصروفیت جس کے لیے لوگوں کو بستی سے نکل کر زمین میں پھیلنے پر مجبور ہونا پڑے اور اندیشہ ہو کہ جمعہ کے لیے جو اجتماع مطلوب ہے اس انتشار سے اس کو نقصان پہنچے گا۔ ایک عام آدمی کو ہفتہ میں ایک دن ایسا ضرور ملنا چاہیے جس دن وہ حجامت بنوائے، کپڑے دھوئے، غسل کرے۔ ان کاموں کے لیے موزوں ترین دن جمعہ ہی کا ہو سکتا ہے اس لیے کہ یہ باتیں اس کے آداب میں سے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ جمعہ کے دن دوسری معاشی و کاروباری سرگرمیاں اگر ضروری ہوں تو جمعہ کے بعد ہی شروع ہوں۔ یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین کا رہا ہے اور یہی طریقہ آج بھی ان حلقوں میں پسندیدہ ہے جن میں اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کا شعور زندہ ہے۔

جمعہ سے متعلق جو باتیں براہِ راست قرآن مجید سے مستنبط ہوتی ہیں، ہم نے اپنے طریقے کے مطابق

اپنی بحث انہی تک محدود رکھی ہے۔ دوسرے مسائل جن کا تعلق فقہ سے ہے، ہم نے ان سے تعرض نہیں کیا ہے۔ ان سطور پر اللہ تعالیٰ کی توفیق و رہنمائی سے اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

لاہور

۲۵- مارچ ۱۹۷۸ء

۱۴- ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ